اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاصر مسلم معاشروں میں تجدید واحیائے دین کی جدوجہد اور ابھرتی ہوئی تڑپ پر نظر رکھنے والے تجزیہ نگاروں نے بارہا اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس جہد و سعی میں جو طبقہ غیر معمولی طور پر متحرک ہے، وہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو مغرب کی اعلیٰ ترین درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے، مغرب میں طویل عرصہ مقیم رہنے اور مغربی معاشرے کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ان لوگوں کو اگرچہ روایتی معیاروں کے مطابق دینی مدارس میں علماء و مجتہدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی، تاہم اسلامی تحریکوں کے مہیا کردہ لٹریچر نے اُنہیں دین کا واضح تصوّر دیا ہے۔ مغرب کی معاشرتی اور سیاسی اقدار سے ان لوگوں کی کامل واقفیت، مسلم دُنیا میں مغربیت کی ناکامی اور مسلم معاشروں میں تمام کوتاہیوں کے باوجود اپنی دینی اساس سے محبت وہ عناصر ہیں جو صاحبِ فکر جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو تجدید و احیائے دین کی جدوجہد میں شامل ہونے پر آمادہ کرتے ہیں۔

کچھ تجزیہ نگاروں کو یہ صورتِ حال رواں پس منظر میں ذرا تعجّب خیز نظر آتی ہے کہ دُنیائے اسلام کی بعض معروف دینی درس گاہوں اور اداروں کے عہدہ داروں کو مسلم معاشروں میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور وہ اپنے سیکولر قومی رہنماؤں کو آئے دن خراجِ تحسین پیش کرتے رہتے ہیں، حالانکہ تعلیم و تربیت کے اعتبار سے اُن سے توقع اس کے برعکس رکھی جاتی ہے۔

یہ صورت حال تعجّب خیز ضرور ہے مگر مسلم معاشروں کی روایت کے خلاف نہیں۔ نوآبادیاتی دور میں جب مسلم تشخّص کو خطرہ لاحق ہوا تو وہ لوگ دفاع میں پیش پیش رہے جنھوں نے مغربی تعلیم حاصل کی، مغربی دُنیا کو بہ نظر خود دیکھا اور مسلمانوں کے افکار و جذبات کو مناسب رُخ دیا۔ برصغیر پاکستان و ہند میں جب مسیحی منادوں کی فکری، تہذیبی اور دینی یلغار حدود پھلانگنے لگی تو ایک طبیب ڈاکٹر وزیر خان نے مطالعۂ مسیحیت میں نہ صرف نام پیدا کیا بلکہ اپنے عہد کے بے مثال عالم مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو وہ فکری اسلحہ مہیا کیا جس سے وہ پادری فانڈر کے بالمقابل خم ٹھونک کر کھڑے ہوئے اور "اظہار الحق" جیسی بے مثال کتاب تالیف کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو لیجیے۔ مولوی احمد اللہ مدراسی، عظیم اللہ خان اور نواب محمد علی (جو جی گرین کے نام سے معروف تھے) وہ اولوالعزم تھے جنھوں نے جدید تعلیم حاصل کی تھی، انگریزی پر عبور رکھتے تھے اور مغربی تہذیب کا مشاہدہ انگلستان کی سرزمین پر کر چکے تھے۔ ماضی قریب کے بیسیوں اہلِ علم میں سے مولانا محمد علی جوہر اور علامہ محمد اقبال کی جدید تعلیم سے کون ناواقف

ہے۔ وہ مذہبی مدارس کے بجائے اسکول اور کالج کی فضا میں پروان چڑھے تھے، مگر دینی عصبیت میں اُن کا مقابلہ کسی بھی دارالعلوم کے فارغ التحصیل سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ لوگ جو "مغربیت" کو قریب سے نہ دیکھ سکے، وہ حقیقتاً تہذیبی خطرے کی گھمبیرتا سے پورے طور پر واقف ہی نہ تھے۔ یہی بڑا سبب ہے کہ مغربی تہذیب پر بھرپور تنقید کرنے والوں میں جدید تعلیم یافتہ مسلم اہلِ دانش نسبتاً زیادہ نمایاں ہیں اور اُن کی تحریروں میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ زور ہے۔

چند ماہ پہلے جب آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ اور کرکٹ کی دُنیا کے ہیرو جناب عمران خان نے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا تو راقم الحروف نے اسے روایت کا تسلسل قرار دیا۔

> تعلیم اور انصاف کے نظام کو تبدیل کر کے ہی قوم آزادی کی حقیقی خوشیاں حاصل کر سکتی ہے۔ ہر کلمہ پڑھنے والا شخص مسلمان ہے۔ چھوٹے اور بڑے مسلمان کی تفریق سے ہم بحیثیتِ قوم تباہ ہو جائیں گے اور قیامِ پاکستان کے حقیقی مقاصد بھی حاصل نہ کیے جا سکیں گے۔ نزولِ قرآن سے انسانیت پاپائیت کی قید سے آزاد ہوئی، ورنہ اس سے قبل جنّت میں جانے کی پرچیاں ملا کرتی تھیں۔ تیرہ برس کی قلیل مدت میں چند ہزار مسلمانوں نے اپنے کردار کی عظمت سے روم اور ایران کی سُپر پاورز کو فتح کر لیا۔ ہمیں بھی دُنیا کے لیے ایک مثالی معاشرہ پیش کرنا ہوگا اور ایسا صرف قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی ممکن ہے۔ آج فرقہ واریت کے جھگڑوں میں اُلجھ کر ہم حقیقی اسلام سے دور ہو چکے ہیں۔ مغربی میڈیا کے زیرِ اثر ہم حس مائیکل جیکسن کو لے کر ترقی کا خواب دیکھ رہے ہیں، وہ یورپی اور امریکی معاشرے کی تباہی کا باعث بن رہا ہے۔ وہاں اس کلچر کے فروغ پانے سے طلاق کی شرح ۶۰ فیصد تک پہنچ گئی ہے جب کہ ۳۵ فیصد کی تعداد میں بن بیاہی مائیں معاشرتی بگاڑ کی زندہ مثال ہیں۔ مغرب کا خاندانی نظام صرف اس لیے تباہ ہو گیا ہے کہ وہاں بزرگوں کی عزت نہیں۔--- اگر ہم آزادی کی حقیقی خوشیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بتدریج اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خود کو تبدیل کرنا ہو گا۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے مرحلہ میں اسلام کا نظامِ انصاف نافذ کریں۔ انگریز نے جاگیرداری نظام اس خطّے کے کروڑوں باشندوں پر اپنا تسلّط جمانے کے لیے قائم کیا تھا۔ یہ نظام اپنی تمام تر برائیوں کے ساتھ آج بھی موجود ہے۔ ہماری بیوروکریسی خود کو عوام کا حاکم سمجھتی ہے اور عوامی نمائندے اس نظام کو ختم کرنے کی بجائے لوٹا بن کر اس کے استحکام کا باعث بن رہے ہیں۔--- جس حلقۂ انتخاب کا نمائندہ لوٹا بن جائے اسے عوام اپنے درمیان دوبارہ نہ گھسنے دیں۔ جس ملک میں ایک سے زیادہ عوامی نمائندے ہر قیمت پر وزیرِ اعظم بننا چاہتے ہوں، اس کا مستقبل روشن

نہیں ہو گا۔ ہمیں صرف یہ سوچنا چاہیے کہ ہم اس ملک کو کیا دے سکتے ہیں، لیکن بحیثیتِ قوم ہم ہر وقت یہ سوچتے رہتے ہیں کہ اس ملک سے کیا نوچا جا سکتا ہے۔ قرضوں کی معیشت نے ہمیں عالمی طاقتوں کا غلام بنا دیا ہے۔ انہیں اب ہماری سرزمین فتح کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ ہزاروں میل دور بیٹھ کر ہم پر حکم چلاتے ہیں اور ہم حکم ماننے پر مجبور ہیں۔ فیوڈل سسٹم کی موجودگی میں انصاف پر مبنی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا۔ ہم مثالی مملکت بن کر ہی اس دُنیا میں زندہ رہ سکتے ہیں، ورنہ یہ ملک زندہ نہیں رہے گا۔ بد قسمتی سے اس ملک میں انگریزی اور اُردو نظامِ تعلیم دونوں چل رہے ہیں اور معاشرہ کا کمزور ترین طبقہ اسلامی تعلیم پر مامور ہے۔ ہمیں ملک بھر کے ماہرین کو بٹھا کر یکساں نظامِ تعلیم قائم کرنا چاہیے۔ مسجد کے منبر پر کھڑا ہو کر کم تعلیم یافتہ مولوی اسلام کی غلط تشریح کرتا ہے اور جاہل مقتدی اس کی باتوں کو حقیقت جان کر سنتے چلے جاتے ہیں۔ ہم پچاس برس سے آزاد ہیں لیکن ذہنی غلامی سے نجات حاصل نہیں کر سکے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں کے دربانوں کو اسلامی لباس پہنایا جاتا ہے اور اندر مینجر نے غلامی کے دور کی یادگار نکٹائی لگا رکھی ہوتی ہے۔ آج کے نوجوان پیسے کے لالچ میں نہ آئیں، کردار کو مضبوط بنائیں، اپنی زندگی کا مقصد واضح کریں، معاشرے کے لیے کچھ کر کے دکھائیں۔---

جنابِ عمران خان کے ان خیالات سے وطنِ عزیز کی دینی و سیاسی فضا میں جو ارتعاش پیدا ہوا، اس نے اُنہیں اپنے لاابالی مزاج اور سیکولر دوستوں سے کاٹ کر دینی جذبوں سے سرشار حلقے کے قریب کر دیا۔ وقتی طور پر سیکولر لابی جو کل تک جنابِ عمران خان کی کامیابیوں اور سماجی خدمت کے تذکرے کرتے نہ تھکتی تھی، حیرت زدہ ہو کر رہ گئی ہے، تاہم جنابِ عمران خان نے خود ہی اپنی ذاتی زندگی کا ایک فیصلہ کر کے اپنے سابق دوستوں اور حالیہ حریفوں کو موقع فراہم کر دیا کہ وہ منقارِ زیر پر نہ رہیں۔ جنابِ عمران خان نے ایک برطانوی خاتون سے شادی کی۔ سیکولر - لبرل نقطۂ نظر سے یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ کتنے ہی سیکولر دانش ور اس راہ پر اپنے نقوش پا چھوڑ چکے ہیں۔ کبھی کسی نے اُن کے "بہتر نصف" کا شجرۂ نسب تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، مگر جنابِ عمران خان کی شادی پاکستان کے رسائل و جرائد کی حد تک کافی ہنگامہ خیز رہی ہے۔ لکھنے والوں میں ہر طرح کے اہلِ قلم شامل ہیں۔ ایک مسیحی جریدے "شاداب" نے اپنے اداریتی کالم میں لکھا ہے۔

> وطنِ عزیز پہلے ہی گوناگوں مسائل کا شکار تھا کہ عمران خان کی یہودی النسل خاتون سے شادی نے سب کچھ پس پشت ڈال دیا۔ اس دوران چرار شریف کا سانحہ اور کشمیر کی صورت حال بھی بھلا دی گئی اور اخبارات عمران خان اور اس کے خسر کی جائز و ناجائز اولاد

اور عیاشیوں اور پلے ہوائے حرکات کو مزے لے لے کر بیان کرنے لگے۔ مذہبی حلقوں میں کہا گیا کہ عمران خان نے یہودی خاتون کو مسلمان کر کے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے حالانکہ مقصود مقاصد کے لیے مذہب کی تبدیلی کو کسی بھی مذہب میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاتا پھر کسی یہودی کو مسلمان کرنا کوئی کارنامہ نہیں کیونکہ یہودی مسلمان ہو کر بھی نسل کے اعتبار سے یہودی ہی رہتا ہے کیونکہ یہودیت ایک مذہب ہی نہیں بلکہ نسل ہے جیسے سیّد اور راجپوت۔ خواہ کوئی عقیدہ اپنالیں سیّد اور راجپوت ہی رہتے ہیں جمیمہ کا خاندان پہلے یہودی تھا پھر مسیحی ہوا اب وہ مسلمان ہو گئی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے پھر والدین کی شادی سے قبل پیدا ہونے والی اولاد کے متعلق مذہبی نقطۂ نظر کیا ہے اس کا جواب علماء ہی دے سکتے ہیں۔

ہمارے پیشِ نظر تو عمران خان کا ایک قومی ہیرو کا کردار ہے جو سب پاکستانیوں کا مشترکہ ورثہ ہے جس میں پاکستان کی تمام قوموں اور مذاہب کے لوگ شامل ہیں۔ برطانوی سنار (گولڈ سمتھ) کی بیٹی جمیمہ سناری سے عمران خان کی شادی ایک نجی مذہبی، نسلی اور محض تہذیبی مسئلہ ہوتا تو کوئی بات نہ تھی لیکن عمران خان خود ایک قومی شخصیت کے مالک تھے۔ اُنہیں پاکستانی قوم نے ایک شناخت دی تھی لیکن اُن کی شادی اور مابعد کے شرمناک واقعات اور تفصیلات سے پاکستانیوں کے سر ندامت سے جھک گئے ہیں کیونکہ ہمیں اپنی مشرقی روایات پر بے حد ناز ہے۔ اہلِ مغرب کے ہاں اس قسم کے تماش بینوں کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے جب کہ ہمارے اس گرے پڑے معاشرہ میں بھی ایسے واقعات میں ملوث شخص کو اخلاق باختہ اور ایسی حرکات کو سماجی گراوٹ سمجھا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت کو اس تمام صورتِ حال کا سختی سے نوٹس لینا چاہیے کیونکہ کسی بھی شخص کو خواہ وہ کتنا بڑا مقام اور اثر و رسوخ رکھتا ہو، وطنِ عزیز پاکستان کے امیج کو مسخ کرنے اور ملک کی بدنامی کا سبب بننے کی اجازت نہیں دی جا سکتی جبکہ عمران خان نے ان تمام مبیّنہ عیاشیوں کے ساتھ ساتھ شوکت خانم ہسپتال کے نام پر پاکستانیوں کے عطیات، زکوٰۃ اور قربانی کی کھالیں تک حاصل کیں اور اب اُن کے برطانیہ اور دیگر ممالک میں کروڑوں روپے کی جائیداد اور بینک بیلنس اور پاکستان میں پلازوں کی تعمیر کے حقائق سامنے آ چکے ہیں۔ یہاں یہ بات محلِ نظر ہے کہ عمران خان نے یہ عزت، یہ سرمایہ، یہ دولت اور یہ کروفر پاکستان اور پاکستانیوں کی محبت کے طفیل حاصل کیا جسے اُنہوں نے تن تنہا اپنی عیاشیوں کی نذر کر دیا۔ یہی حرکات اگر وطنِ عزیز میں کوئی عام آدمی کرتا تو آج وہ کسی حوالات یا جیل میں حدود آرڈیننس کے

تحت سزا بھگت رہا ہوتا۔ مغربی معاشرہ میں ان "حرکات و سکنات" کی وڈیو فلمیں بنا لی جاتی ہیں جبکہ ہمارے معاشرے میں آج بھی شرافت سے زندگی بسر کرنے والوں کی کمی نہیں۔ ہمیں حیرانی اور افسوس اس بات کا ہے کہ عمران خان نے تمام عیاریوں اور چالاکیوں سے گذشتہ دونوں مشرقیت نوازی اور مذہبی روایتوں کی پاس داری کا پرچار شروع کر رکھا تھا، لیکن مغربی ذرائع ابلاغ اور مقامی پرنٹ میڈیا نے تمام پول کھول کر رکھ دیے لہٰذا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سنجیدگی سے اس صورت حال کا جائزہ لیں اور اپنے کھلاڑیوں اور دیگر سفارتی حلقوں پر کڑی نظر رکھیں تاکہ آئندہ ملک و قوم کو اس قسم کی بدنامیوں اور رسوائیوں سے بچایا جا سکے۔

جناب عمران خان کے "ازدواجی فیصلے" کا کوئی دفاع مقصود نہیں ہے، مگر یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ کیا "شاداب" کے الزامات اس لیے تو نہیں کہ وہ سیکولر - لبرل طبقے کا ناقد اور بقول کسے "بنیاد پرست" بن گیا ہے؟ "شاداب" کے اداریہ نگار کی یہ بات اسلامی بلکہ مسیحی نقطۂ نظر سے بھی چنداں کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ "یہودی مسلمان ہو کر بھی نسل کے اعتبار سے یہودی ہی رہتا ہے۔" اسلام میں رنگ و نسل کو وہ اہمیت ہرگز نہیں جو عقیدے کو ہے۔ جو لوگ حلقۂ اسلام میں آجاتے ہیں، بلا اختلاف رنگ و نسل وہ ایک اُمت کے افراد ہیں۔ یہودیت سے حلقۂ اسلام میں آنے والے صحابہؓ و صحابیاتؓ اسلام کے اُتنے ہی وفادار تھے جتنے دوسرے قبائل سے ایمان لانے والے مردوزن۔ کیا حضرت عیسیٰؑ یہودی النسل ہونے کے باوجود اپنے یہودی مخالفین سے مختلف نہیں تھے؟ ایمان اور نجات کا انحصار نسل پر نہیں بلکہ عقیدے پر ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسیحی مناد برسوں بلکہ صدیوں سے یہود کو حلقۂ مسیحیت میں لانے کے لیے بے تاب ہیں۔ خود جناب عمران خان کا سسرال یہودیت سے مسیحیت میں آیا ہے۔ کیا یہ کوئی تبدیلی نہ تھی؟

جناب عمران خان نے جو فکری روّیہ اپنایا، اُن کی شادی اس سے ہم آہنگ نہیں، تاہم اُن کے امتحان کا آغاز ہو گیا ہے۔ وہ آئندہ زندگی کس نہج پر گزارنا چاہتے ہیں؟ اُن کی اہلیہ کس حد تک مسلم معاشرے میں جذب ہوتی ہیں؟ اور جناب عمران خان اپنی سماجی خدمات اور مالی دیانت کے اعتبار سے کتنا شفاف طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ ان سوالوں کے عملی جواب پر ہی اُن کا مستقبل منحصر ہے۔